یہ تحریر اُردو کے مشہور افسانہ نگار رام لعل نے لکھی ہے

لڑکی جو بچہ بن گئی

تیسری کہانی

اُس کی عمر اُس وقت اٹھارہ سال تھی جب اس کا باپ اچانک چل بسا تھا۔ ڈاکٹر اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہا تھا کہ اس کی جان نکل گئی۔ نکی کے علاوہ اُس کی تین بیٹیاں اور بھی ہیں، تینوں بیاہی ہوئی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی نکی کو اپنے ساتھ رکھنے پر تیار نہ ہوتی۔ ان کا یہ رویہ سب کو عجیب لگا۔ نکی کی بہنیں دراصل اُس کی عادتوں سے بڑی خائف تھیں۔ اُس کا چال چلن اچھا نہیں تھا۔ اب تک تین بڑے بڑے اسکینڈل اُس کے بارے میں مشہور ہو چکے تھے۔ اس کے باپ کو بھی اس بات کا علم تھا۔ ممکن ہے وہ اسی صدمے کی وجہ سے مر گیا ہو۔ نکی کی بہنیں تو یہی کہتی تھیں۔ اُسے طعنے بھی دیا کرتی تھیں۔

اُس نوجوان لڑکی کی تاثر انگیز کہانی جو ہمیشہ ہمیں نظر آتی ہے

میں اُس زمانے میں ایک واسا زادارے کا سفری نمائندہ تھا۔ پچاس سال کا غیر شادی شدہ۔ لیکن ایک مرحوم دوست کی لڑکی سے شادی کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ چونکہ میں اکیلا رہتا تھا اور نکی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا اس لیے میں ہی اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اکیلے آدمی کا گھر بھی بے حد اکیلا ہوتا ہے کوئی اس کی دیکھ بھال نہیں کرتا خاص طور پر جب اُس میں میری عمر کا کوئی آدمی رہتا ہو۔ پاس پڑوس والے تو جان بوجھ کر بے خبر بن جاتے ہیں۔

میں نے شادی نہیں کی تھی میرے سارے چھوٹے بھائی بہن بیاہے جا چکے تھے خاص کر میری چھوٹی بھابیوں کو مجھ سے بڑی چڑ تھی مجھے دیکھتے ہی ناک بھوں چڑھا لیتی تھیں ان کے بچے میری گود میں چڑھ آتے تھے اس بات سے بھی انھیں گھٹن ہوتی تھی اسی لیے میں اُس ماحول سے نکل آیا تھا۔ پندرہ سال پہلے اب اس ڈکروں کے فلیٹ میں مجھے بڑا سکون ملا۔ اسے میں چھوٹی جنت کہتا اور بہت خوش ہوتا تھا۔ نکی کو یہاں لا کر میں اور بھی خوش ہوا تھا مجھے یقین تھا کہ میرے مرحوم دوست کی روح کو بھی سکون میسر ہوگا۔ اگرچہ وہ اسی نکی کی وجہ سے بے حد دکھی ہو کر مرا تھا جیسا کہ اُس کی تین بیٹیاں کہتی تھیں پھر بھی اُس نے یہ تو کبھی نہیں چاہا تھا کہ اُس کی سب سے چھوٹی بیٹی بے سہارا ہو کر گلیوں میں گھوما کرے ٹھوکریں کھایا کرے اسی لیے تو وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ اُسے اپنے ساتھ رکھے رہا۔

میں نکی سے عملی طور پر ہمدردی کرنے کے سلسلے میں بجا طور پر فخر کر سکتا تھا۔ لوگ مجھے بُرا بھلا بھی نہیں کہہ سکتے تھے کیوں کہ جانتے تھے کہ میں — شادی کے قابل ہی نہیں ہوں البتہ خوش ہو سکتے تھے میری ساری تنخواہ کلب کے دوستوں پر خرچ ہو جاتی تھی اب اُس میں ایک لڑکی بھی پلنے لگے گی۔ اگرچہ یہ اُمید کسی کو نہیں تھی کہ وہ راہِ راست پر آجائے گی۔

ایک سال تک نکی میرے ساتھ بڑے سکون سے رہی کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ وہی اب میرا کھانا بھی پکاتی میرے کپڑے بھی دھوتی اور میرا انتظار بھی کرتی۔ اسے میں نے ہمیشہ اپنا منتظر پایا۔ دیر سے پہنچتا تو مجھ سے لڑتی بھی تھی اگر وہ کبھی واقعی بدچلن رہی تھی تو میں دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ اب وہ سُدھر گئی ہے۔ یا کبھی بدچلن تھی ہی نہیں جیسا کہ اُس کے بارے میں مشہور تھا۔

میرے گھر کے سامنے برگد کا ایک بوڑھا درخت تھا۔ سڑک چوڑی کرنے کے لیے اُسے کاٹ ڈالنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ایک روز میں دورے سے واپس آیا تو کارپوریشن والے اسے جڑ سے کاٹ ڈالنے کے لیے اُس کے اردگرد ایک گڑھا کھود چکے تھے لیکن اس وقت وہ سب لوگ ایک لڑکی کے گرد جمع تھے۔ لڑکی دونوں ہاتھ منہ پر رکھے زور زور سے رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی "یہ پیڑ نہ کاٹیے، میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

وہ نکی تھی۔ میں نے بھیڑ میں گھس کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اُس نے مجھے دیکھا تو اور بھی زور سے رو کر میرے سینے سے لگ گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی "انھیں روکیے انکل! پیڑ مت کاٹنے دیجیے۔"

میں اُسے گھر واپس لے آیا۔ میں نے اُس سے پیڑ کے بارے میں اس قدر جذباتی ہونے کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا "آپ یہاں نہیں تھے تو مجھے ڈر لگتا تھا۔ آپ کے بارے میں عجیب عجیب خیال آتے تھے کبھی کبھی جی پرچانے کے لیے بالکونی میں بیٹھ کر سڑک پر گزرنے والی ہر چیز کی طرف دیکھا کرتی تھی۔ آج اچانک میں نے ان آدمیوں کو برگد کے چاروں طرف گڑھا کھودتے ہوئے دیکھا پہلے تو کچھ نہ سمجھی پھر جب انہوں نے گڑھا کھودنے کے بعد اس کے تنے پر آرا چلانا چاہا تو میں اچانک ڈر گئی مجھے ایسا لگا جیسے وہ لوگ مل کر کسی بوڑھے آدمی کو قتل کر رہے ہوں۔ میں نے سوچا یہ لوگ پہلے اسے نیچے سے کاٹ کر سڑک پر گرا دیں گے پھر اُس کی شاخیں کاٹیں گے یعنی اس کے بازو گردن اور ٹانگیں اور ..... اُف۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ بھاگتی ہوئی اُن کے پاس گئی اور ہاتھ پیر جوڑنے لگی۔"

مجھے بڑی ہنسی آئی یہ باتیں سن کر کتنی بھولی تھی وہ اور اسے مجھ سے کتنی محبت تھی۔ میں نے اُسے دلاسا دیا یقین دلایا "اب زیادہ دن باہر نہیں رہا کروں گا۔ جلدی جلدی لوٹ آیا کروں گا۔"

ایک روز پھر میں دورے سے واپس آیا تو وہ گھر میں نہیں تھی دن بھر واپس نہیں آئی، پھر رات بھی گزر گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ضرور کسی مرد کے ساتھ چلی گئی ہے۔ اُسے ایک مرد کی یقیناً ضرورت تھی اور یہ ضرورت میں پوری نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میرے گھر کی کوئی چیز ساتھ نہیں لے گئی تھی ہر چیز جوں کی توں رکھی ہوئی تھی جو کچھ میں نے بنوا کر دیا تھا وہ اُسے چھوڑ گئی تھی۔ میری بنوائی ہوئی چیزیں زیادہ قیمتی نہیں تھیں، یہ چیزیں تو کوئی بھی مرد عورت کو بنوا کر دے سکتا ہے اگر عورت اُس کے ساتھ رہنا منظور کرے اور مرد کو خوشی اور مسرت کا احساس دلا سکے۔ نکی کے لیے ایک مناسب مرد کی تلاش میں بھی کر رہا تھا۔ کوئی ایسا آدمی جو اُس کے ماضی سے سروکار نہ رکھتا بس ایک خوب صورت ہائی اسکول پاس عورت کا طلب گار ہوتا۔ اچھا ہوا نکی نے خود ہی ایسا مرد تلاش کر لیا۔ کبھی ملے گی تو اُسے مبارک باد

دوں گا۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ دوں گا۔ ایک بیٹی کو اُس کا باپ جو کچھ دے سکتا ہے۔

لیکن وہ تین سال تک واپس نہیں آئی، پھر اُس کے آنے کی اُمید بھی باقی نہ رہی۔ اُس کی کوئی خبر بھی نہیں ملی۔ اُس کی بہنوں سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ انہیں میں نے اس کے اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع دے دی تھی، رفتہ رفتہ میں اُسے بھول گیا اور اس درمیان میں نوکری سے ریٹائر بھی ہو گیا۔ میں ایک سال تک اسپتال میں بھی رہا۔ ایک بیمار ٹرک بیل گاڑی کے پیچھے باندھ کر ورک شاپ میں لے جایا جا رہا تھا۔ ٹرک میں اسٹیرنگ پر ایک نوسیکھیا ڈرائیور بٹھا دیا گیا تھا جو ضرورت کے وقت صرف پہیے گھما دیتا تھا۔ اچانک ایک ڈھال پر ٹرک اپنے آپ اسٹارٹ ہو گیا۔ اناڑی ڈرائیور اُسے قابو میں نہ لا سکا۔ ٹرک نے پہلے تو بیل گاڑی کے دونوں بیل کچل ڈالے پھر کئی رکشے ملیامیٹ۔ اس نے سب راہگیروں کو بھی بدحواس بنا دیا۔ میں بھی انہی میں تھا۔ میں جان بچانے کے لیے چوراہے کے ٹریفک کنٹرول والے باکس میں گھس گیا لیکن ٹرک اُسے بھی تہس نہس کرتا ہوا روڈی کے ایک ڈھیر میں جا کر دھنس گیا۔ مجھے ہوش آیا تو میں اسپتال میں پڑا تھا۔ ایک کان سے محروم اور کولھے کی ہڈی چکنا چور، درد سے کراہتا ہوا۔ اسپتال سے چھٹی پائی تو مجھے ایک فرم میں ڈسپیچر کی جگہ مل گئی، اب میں زیادہ چل پھر نہیں سکتا۔ مستقل طور پر لنگڑا ہو چکا تھا لیکن وقت کاٹنے کے لیے کہیں نہ کہیں کام کرنا بھی ضروری تھا۔

ایک دن اچانک نکی واپس آ گئی۔ ایک ننھی سی بچی بھی اُس کے ساتھ تھی، ایک برس کی ہو گی۔ چوڑی ناک والی لیکن ہونٹوں پر اپنی ماں کی دلکش مسکراہٹ لیے ہوئے۔ مجھے دیکھتے ہی نکی رونے لگی۔ اُس نے بتایا: میں نے ایک فاؤنٹن پین مرمت کرنے والے سے شادی کر لی تھی، وہ ہر روز اسی مکان کے سامنے سے گزرا کرتا تھا۔ مجھ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ میں اُس کے ساتھ ابنارمل دلی میں رہ رہی تھی۔ مگر آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ میں اپنی زندگی سے بڑی خوش تھی۔ حالانکہ وہ کم کماتا تھا۔ دن بھر سائیکل پر فاؤنٹن پینوں اور سیاہی کی شیشیوں سے بھرے ہوئے بکس باندھے سرکاری دفتروں کے چکر لگایا کرتا۔ لیکن میرا بڑا خیال رکھتا تھا۔ ایک مہینے پہلے اس کا اپنے ایک ہم پیشہ سے جھگڑا ہو گیا اور اُسے چاقو گھونپ دیا گیا۔ اس نے اسپتال پہنچتے پہنچتے دم توڑ دیا۔ اب میں بیوہ ہوں، یہ اسی کی بچی ہے۔"

وہ دیر تک روتی رہی۔ میں اُسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے اُس کی بچی کو بھی گود میں اُٹھا لیا۔ مجھے نکی کی کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اب بھی میرے ساتھ رہ سکتی تھی، پہلے کی طرح اسی گھر میں جہاں تین سال پہلے وہ میرے لیے کھانا پکاتی تھی، میرے کپڑے دھوتی تھی۔ یہ سب کچھ وہ اب بھی کر سکتی تھی۔ میں اسے بھوکا نہیں مرنے دوں گا۔ یہ چھوٹا سا مکان اُسے اپنے اندر پوری طرح چھپا کر رکھ سکتا تھا۔

کچھ مہینوں بعد میں نے اُسے ایک فرم میں کی بورڈ پر آپریٹر رکھوا دیا۔ وہاں اس کا نام مسز سچدیو تھا۔ مرحوم سچدیو کی بیوہ جو کسی سرکاری دفتر کے سامنے پیٹ میں چاقو کھا کر مر گیا تھا۔ مگر نکی کی بہنیں کہتی تھیں کہ "وہ سراسر جھوٹ بولتی ہے۔ اس کی کسی شخص سے شادی وادی نہیں ہوئی تھی، وہ تو کسی فوجی کے ساتھ شادی کیے بغیر ہی رہتی تھی جس نے اب نکی کو چھوڑ دیا ہے، یہ ناجائز بچی اسی کی ہے۔" یہ باتیں نکی تک پہنچیں تو وہ بڑی برہم ہوئی لیکن میں نے اُس سے اس سلسلے میں کبھی کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میں نے تو اُسے اپنے پاس پورے سکون و اعتماد سے رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اس نے خود ہی کہیں سے سُنا اور مجھ سے رو کر کہا: "میری بہنیں بڑی کمینی ہیں، انھوں نے خود کون کون سے گل نہیں کھلائے تھے۔ میں چھوٹی تھی، لیکن سب سمجھتی تھی۔ شادی ہونے کے بعد ان کے سارے عیبوں پر پردے پڑ گئے۔ اور میرے بہنوئی بھی کون سے بڑے دھرماتما ہیں، کس کس کو بتاؤں سب سے چھوٹا تو چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ اُس نے موقع پا کر مجھے پریشان کیا تھا، میں نے اپنی بہنوں سے شکایت کی تو انھوں نے اُلٹا مجھی کو ڈانٹ دیا۔ میری بات کا کبھی یقین نہیں کیا۔ ہمیشہ مجھی کو قصوروار ٹھیرایا۔ ایک بار تو میں اس کمینے کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی تھی، اب بتاتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔ کاش میں نے اُسے مار ڈالا ہوتا۔ میں ایسا کیوں نہ کر سکی؟ میری ہمت جواب کیوں دے جاتی تھی؟" کچھ دیر رو کر اس نے کہا: "میری بہنوں نے میرے ڈیڈی کو ہمیشہ لوٹا۔ ماں کے مرنے کے بعد وہ گھر کی ساری چیزیں ڈھو ڈھو کر اپنے گھروں کو لے گئیں، کپڑے لتے، برتن میز کرسیاں تک جنم جلیاں اُٹھا کر لے گئیں، جیسے مجھے تو کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میرے ڈیڈی بھی عجیب تھے! انھیں کبھی منع نہ کرتے، میں کچھ کہتی تو سمجھانے بیٹھ جاتے کہ جب تمہاری شادی ہو گی تو سارا سامان نیا لے دوں گا۔"

اُس کی باتیں سن سن کر میں سوچتا کہ جب خاندانی رشتوں کا احترام ختم ہو جاتا ہے تو کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں دل کی گہرائیوں سے اُبھر کر سطح پر آ جاتی ہیں اور کتنی اہم بن جاتی ہیں، جن کے دل پر چوٹ پڑتی ہے وہ برداشت نہیں کر پاتے، وہ اور زیادہ دکھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں نے نکی

کے کسی رویّے کی مذمت نہیں کی، مجھے یقین تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور سُدھر جائے گی، نہ بھی سُدھرے تو کیا ہوا ٹھکرا کر بھی تو ہم اسے راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔ کسی بھٹکے ہوئے آدمی کی سرپرستی بھی ایک فرض ہوتی ہے، یہ بات صرف سمجھنے کی ہے بلکہ محسوس کرنے کی۔

اُسے میرے ساتھ رہتے رہتے کئی مہینے ہو گئے مگر اُس کے بارے میں کوئی ایسی ویسی خبر میرے کانوں میں نہیں آئی۔ کبھی کبھی میں اُس کے دفتر بھی چلا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ بڑے خوش اخلاق، مہذب اور تعلیم یافتہ تھے۔ اگر اُن میں سے کسی کے ساتھ وہ بے تکلف تھی تو اس میں کون سی بُرائی تھی۔ اور اگر کسی سے اُس کے جسمانی تعلقات بھی تھے تو مجھے اعتراض کرنے کا کیا حق تھا۔ اب وہ چوبیس سال کی تھی۔ اُس کا بدن ایک پوری عورت کا بدن تھا۔ دلکش، سڈول اور متناسب، وہ بدن اپنے اندر محسوس کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ نکی کو اس قدر جوان، تندرست اور خوب صورت دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوتی تھی۔ میں بھی اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھنے کے لیے مجبور تھا۔ کیا اتنا ہی کافی نہیں تھا کہ وہ مجھ پر کسی لحاظ سے بوجھ نہیں تھی۔ ایک معقول تنخواہ پا رہی تھی، وہ اپنی بچی کی پرورش اور تربیت بھی خاطر خواہ طریقے سے کر لیتی تھی۔ ہم تینوں گھر میں اکٹھے ہوتے تو خوب کھل کھلا کر ہنستے۔ کسی طرح کی باتوں پر خوش ہونے اور ہنس پڑنے کے لیے ایک گھر میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ ریڈیو، کیرم بورڈ، اِدھر اُدھر کی باتیں اور لطیفے۔ ہماری دلچسپی کا سب سے بڑا مرکز اُس کی بچی آکو تھی۔ آکو کی بھولی بھولی پیاری پیاری حرکتیں ہم دونوں ہی کو اچھی لگتی تھیں۔ میری زندگی میں ایک مدت سے کتنا بڑا خلا تھا۔ نہ کوئی عورت، نہ کوئی بچہ، نہ کسی کی فرمائش، نہ کسی کے قہقہے۔ کچھ بھی تو نہیں تھا۔ نکی ہی نے آکر یہ خلا پُر کیا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھی، جیسی بھی تھی، میں اُس کا بے حد شکر گزار تھا۔

ایک دن وہ اپنے دفتر کے کسی افسر کو ساتھ لے آئی۔ نکی نے اُس کا تعارف مسٹر ریڈی کہہ کر کرایا۔ مجھے ریڈی کے منہ سے شراب کی بُو آئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ دونوں یہاں آتے ہوئے کسی بار میں بھی گھسے ہیں۔ نکی نے مجھے الگ لے جا کر بتایا۔ ریڈی کو میں کسی طرح نہ ٹال سکی۔ ابھی تھوڑے دن پہلے ٹرانسفر ہو کر آیا ہے۔ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ میری بہنوں اور اُن کے شوہروں سے بھی واقف ہے۔ انھی سے اسے سب کچھ معلوم ہوتا رہا ہے۔ لیکن اُس نے مجھے کسی قسم کی دھمکی نہیں دی ہے۔ بہت ہی شائستہ الفاظ میں مجھ سے تعلقات رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اُس نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ جیسے ہی اُس کی بیوی آ جائے گی، یہ مجھ سے الگ ہو جائے گا۔"

نکی کے ساتھ یہ میری پہلی بالغ گفتگو نہیں تھی، اس سے پہلے بھی ہم نے ایک دوسرے سے انسانوں کے جنسی رشتوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا سُنا تھا۔ کچھ سال پہلے نکی نے مجھ سے شادی نہ کرنے کا سبب بھی پوچھا تھا جو میں نے اُسے صاف صاف بتا دیا تھا۔ وہ مجھ سے کسی ڈاکٹر کے پاس چل کر علاج کروانے کے لیے بھی اصرار کرتی رہتی تھی لیکن میں تیار نہیں ہوا تھا۔ اب بھی میں نے اُس کی باتیں بڑے دھیان سے سُنیں اور اپنے اندر ایک عجیب سی سنسنی محسوس کی جو غصّے اور غم سے ملوث تھی، لیکن میں اُس سے اختلاف نہ کر سکا۔

اُس روز نکی نے بڑی محنت سے کھانا پکایا۔ ہم سب کو ایک میز پر بیٹھ کر کھانا پڑا۔ ریڈی ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔ زیادہ تر مجھی سے لیکن میں جیسے اچانک ہنسنے کی خواہش اور صلاحیت کھو بیٹھا تھا۔ گو اُس کی باتیں بہت دلچسپ تھیں مگر میں محض مسکرا ہی سکا، وہ بھی کسی کسی بات پر اور بہت کوشش کر کے۔

کھانے کے بعد نکی ریڈی کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ اس وقت بھی میں نے بہت بے چینی محسوس کی اور ایک صدمہ بھی۔ کیا میں انھیں اپنے گھر میں یہ حرکتیں کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں؟

دوسرے روز صبح میں نے اُس سے کوئی بات نہیں کی۔ ریڈی رات ہی کو کسی وقت چلا گیا تھا۔ ناشتہ کرنے کو بھی میرا دل نہ چاہا۔ اُس روز مجھے ٹوٹے ہوئے کولھے میں معمول سے زیادہ کمزوری محسوس ہوئی۔ میں بڑی مشکل سے لنگڑاتا ہوا باہر رکشے تک گیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے میری ناراضگی کا سبب پوچھے، مجھ سے معافی مانگ لے۔ دفتر میں سارا دن سخت بے چینی سے گزرا۔ میں شام کو واپس پہنچا تو ریڈی کو پھر گھر میں موجود پایا۔ وہ دونوں دفتر سے کچھ پہلے ہی آ گئے تھے اور بڑی بے تکلفی سے ہنس رہے تھے۔

آکو کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ اسکول سے تو آ چکی تھی۔ اُس کا بستہ اُس کے ڈیسک پر پڑا تھا۔ میں اُسے تلاش کرنے لگا۔ نکی سے میں نے کچھ نہ پوچھا۔ میں نے ان دونوں سے کوئی بات بھی نہیں کی۔ میں آکو کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے چھت پر پہنچا تو اُسے ایک ٹیرس پر چپ چاپ بیٹھے ہوئے پایا۔ اسکول ڈریس میں اُداس اور رنجیدہ۔ وہ ایک گملے کی ساری پتیاں توڑ توڑ کر بکھیر چکی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ میری طرح یہ بھی ناخوش ہے۔ اسے بھی اس گھر

میں ایک نامحرم شخص کی آمد اچھی نہیں لگی۔ میں اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ ہم دونوں نہ جانے کتنی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ آکو کبھی کبھی حیرانی سے میری طرف تکنے لگتی۔ میں تو اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ گو مجھے احساس تھا کہ اُس کے دل پر بہت بوجھ ہے اور یہ مجھ سے بہت کچھ توقع رکھتی ہے مجھے چپ دیکھ کر اُسے حیرت ہو رہی تھی۔ اچانک یاد آیا کہ سامنے سڑک کے پار والے فٹ پاتھ پر برگد کا ایک بہت گھنا پیڑ تھا جسے ایک بار جڑ سے کٹتا ہوا دیکھ کر نکی بے اختیار رو پڑی تھی۔ اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ کبھی وہاں کچھ تھا۔

اچانک نیچے سے نکی کی آواز سنائی دی۔ وہ ہم دونوں کو کھانے کے لیے پکار رہی تھی۔ میں نے آکو کی طرف دیکھا۔ ممی کی آواز سُن کر اُس کا منہ اور بھی پھول گیا۔ نکی کے بار بار پکارنے پر بھی اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ دیکھ کر ایک ہلکی سی خوشی کا احساس ہُوا۔ جی چاہا کہ اُسے گود میں لے کر پیار کروں اور اُس سے کہوں "شاباش اپنی ممی سے بالکل نہ بولنا۔"

اُسی وقت نکی اُوپر آگئی۔ وہ ہمیں یہاں دیکھ کر حیران بھی ہوئی اور مجھ پر کسی قدر غصہ بھی دکھایا۔ "آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ چلیے کھانا کھا لیجیے۔"

ہم اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ ہم دونوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نکی نے آکو پر ذرا سا جھک کر کہا "چل نیچے۔ کیا کہا میں نے؟"

"میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔" آکو نے میری طرف کسی قدر لپکتے ہوئے جواب دیا۔

"کھانا نہیں کھائے گی؟ کیوں؟"

"نہیں کھاؤں گی، بس۔"

"آخر کیوں؟" نکی کچھ روہانسی ہو گئی۔

"بس کہہ دیا نا۔"

نکی مجھ سے مخاطب ہوئی "سُنا آپ نے؟ کیا کہہ رہی ہے آکو کھانا نہیں کھائے گی۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے اپنا منہ دوسری طرف گھما لیا۔

"تو کیا آپ بھی نہیں کھائیے گا؟ آپ صبح بھی ناشتہ کیے بغیر چلے گئے تھے۔" اُس کی آواز میں یقیناً ایک تھرتھراہٹ تھی، ایک افسردگی تھی جو اچانک پیدا ہو گئی تھی لیکن میں خاموش ہی رہا۔ وہ کچھ دیر تک جواب

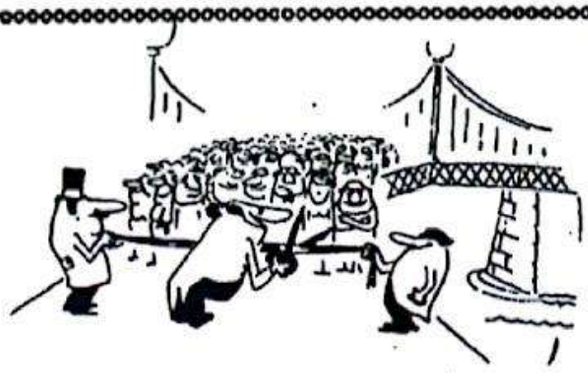

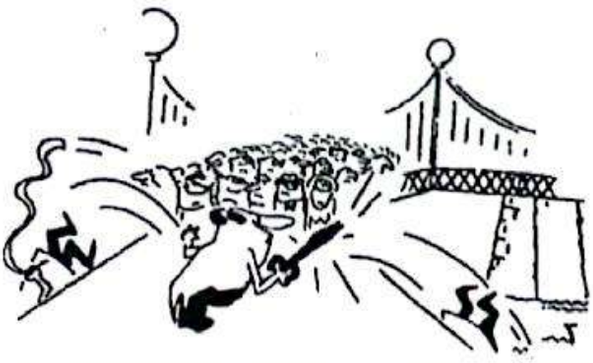

کا انتظار کرتی رہی پھر میرے پاس ہی ٹیرس پر بیٹھ گئی اور میرے بازو سے لگ کر بولی "میں جانتی ہوں کہ آپ کیوں ناراض ہیں۔ کل سے کوئی بات بھی نہیں کی۔ آپ تو جانتے ہیں، وہ میرے دفتر کا ایک بااختیار افسر ہے۔ میں نوکری چھوڑ بھی دوں تو وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ یہ سب کچھ میری کمینی بہنوں کی وجہ سے ہے۔"

میں اُسی وقت مچل گیا۔ میں نے ایک بازو نکی کے گرد حمائل کیا اور دوسرا آکو کے گرد۔ پھر آکو سے کہا "چلو بیٹا نیچے چلیں، اب اندھیرا ہو گیا ہے۔"

آکو میرے کہنے پر نیچے چلی تو آئی لیکن اُس نے کھانا چھوا تک نہیں۔ میں نے اور نکی نے اُسے بہت سمجھایا اور پچکارا مگر بے سود۔ ریڈی نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش کی وہ بہت سرور میں تھا۔ اس پر آکو نے اچانک لال پیلی ہو کر میز پر رکھے ہوئے سارے برتن ایک طرف دھکیل دیئے اور بھاگ کر میرے کمرے میں چلی گئی۔ سارا کھانا نیچے گر کر اُلٹ گیا۔ نکی نے جلدی جلدی سب کچھ سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اُس رات کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ ریڈی کو نکی نے سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا۔

دوسری صبح آکو ناشتہ کیے بغیر اسکول چلی گئی۔ میں بھی اسی طرح باہر جا رہا تھا مگر نکی نے مجھے روک لیا۔ اُس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا رات بھر روتی رہی ہے۔ "آپ ہی میری کچھ مدد کیجیے۔"

"کیا مدد کروں بولو؟" میں نے اپنے لہجے میں ایک عجیب طرح کی درشتی محسوس کی اس لیے فوراً سنبھل کر ذرا نرم لہجے میں کہا "تم نے آج

کپڑے بھی نہیں بدلے کیا دفتر نہیں جاؤ گی؟"

"میں سوچ رہی ہوں آکو کو ہاسٹل میں رکھوں، اُس کا یہاں رہنا اچھا نہیں ہے۔"

"کیا اچھا نہیں ہے؟" میری درشتی پھر لوٹ آئی۔

"ریڈی مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے تیار ہے، اُس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بیوی کو نہیں بلائے گا۔ اگر آپ بھی اجازت دے دیں تو....."

"کیا وہ تم سے شادی کرے گا؟"

"نہیں، وہ شادی تو نہیں کرنا چاہتا....." نکی سر جھکا کر بولی۔

میں چند لمحوں تک کھڑا سوچتا رہا۔ پھر دفتر جانے کے لیے باہر نکلتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے تم جہاں بھی رہنا چاہو، پوری طرح آزاد ہو لیکن ....لیکن آکو سے بھی تو پوچھ لو۔"

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ پریشان ضرور نظر آئی۔

شام کو میں گھر لوٹا تو معلوم ہوا کہ اُس نے آکو کو ہاسٹل میں داخل کرا دیا ہے۔ آکو کے بغیر مجھے گھر سونا سونا سا لگا۔ نکی بھی شاید یہی محسوس کر رہی تھی مگر وہ کہیں باہر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ریڈی آ گیا۔ وہ اُس کے ساتھ اسکوٹر پر باہر چلی گئی۔ جانے سے پہلے بتا گئی۔ "کھانا کچن میں رکھا ہوا ہے کھا لیجیے گا۔ ہم لوگ دیر سے لوٹیں گے۔"

پتہ نہیں وہ لوگ کس وقت لوٹے۔ میں بہت دیر تک اکیلا تاش کھیلتا رہا تھا۔ گیم آف پیشنس، آکو بہت یاد آ رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ ہاسٹل میں اکیلی کیسے رہ رہی ہوگی، دل لگ رہا ہوگا یا نہیں؟ ہو سکتا ہے بستر میں پڑی پڑی رو رہی ہو، دوسری لڑکیاں اُسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی ہوں گی یا نہیں؟ سوچتے سوچتے میں نے پتے سمیٹے اور پھر نہ معلوم کب سو گیا۔

صبح ریڈی اور نکی مجھے چائے کی میز پر ملے، دونوں بہت خوش تھے انھوں نے مجھے بھی خوش کرنے کے لیے کچھ جملے کہے، پھر دفتر جانے کے لیے ساتھ ساتھ تیار ہوتے۔ میں نے نظروں سے نکی کو ٹٹولا کہ کیا وہ اپنی بیٹی کو الگ کر کے واقعی مطمئن ہے؟ یقیناً ایسا نہیں تھا۔ اُس کے چہرے پر اُداسی کی ایک واضح تحریر تھی۔ میں نے پوچھا۔ "ہاسٹل جاؤ گی؟"

بولی۔ "شام کو دفتر سے نکل کر سیدھی وہیں جاؤں گی، مگر آپ ابھی کچھ روز وہاں نہ جائیے گا۔"

یہ سن کر میں نے کچھ اطمینان بھی محسوس کیا لیکن دکھ بھی ہوا۔

ریڈی اب میرے ہی گھر میں رہنے لگا تھا۔ میں اُسے کچھ نہ کہہ سکا میرا خیال ہے یہ میرا ایک قسم کے تشدد کے ساتھ سمجھوتا تھا۔ بزدلی سے بھرپور سمجھوتا۔ مجھ میں انھیں کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی، یہ بات وہ بھی جانتے تھے۔

چند روز بعد میں نے ملازمت چھوڑ دی، مجھ سے اب کام نہیں ہوتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ گھر پڑا رہوں، اتنا روپیہ میرے پاس تھا کہ چند برس کوئی کام کیے بغیر بھی کھا پی سکتا تھا۔

اسی روز شام کو میں آکو سے ملنے کے لیے پہلی بار ہاسٹل گیا۔ خیال تھا کہ اب اُس کا جی لگ گیا ہوگا۔ نکی کی بھی یہی خواہش تھی کہ اُسے زیادہ جذباتی نہ ہونے دیا جائے تاکہ وہ خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا سیکھ جائے۔ میں اس کے لیے پھل، بسکٹ اور ٹافیاں لے گیا تھا۔ وہاں جاتے ہی میں اُس کی پرنسپل ہولی مدر سے ملا۔ اس نے آکو کے بارے میں مجھے بتایا کہ وہ اپنی ممی سے بہت ناراض ہے۔ نکی دو بار اُس سے ملنے آ چکی تھی لیکن دونوں بار آکو کہیں چھپ گئی تھی۔ ہولی مدر مجھے اُس سے ملوانے کے لیے ساتھ لے گئی۔ اُس وقت کھیل ہو رہے تھے، زندگی کی بشاشت سے بھرپور لڑکیاں بڑے جوش سے کھیل رہی تھیں مگر آکو کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے ہر چہرے میں اُسے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ آخر وہ کھیل کے میدان کے سامنے ایک برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی مل گئی۔ اُداس، مگر لڑکیوں کو کھیلتے ہوئے دیکھنے میں منہمک۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ پھر بھاگ کر مجھ سے آ چمٹی۔ ہم دونوں کے آنسو نکل پڑے۔ ہولی مدر ہمیں وہیں چھوڑ کر مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ ہم وہیں سیڑھیوں پر بیٹھے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ "میں ممی سے اب کبھی نہیں ملوں گی۔"

"میں نے کہا۔ "میں تمہیں کبھی کبھی گھر بھی لے چلا کروں گا۔"

بولی۔ "لیکن جس دن ممی گھر پر نہیں ہوں گی۔" پھر یکایک چمک کر کہنے لگی۔ "آپ ممی کو گھر سے نکال کیوں نہیں دیتے؟"

میں نے اُسے سمجھایا۔ "اپنی ممی کے بارے میں ایسا نہیں کہتے۔"

مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ میں آخر میں اُسے ایک روز اپنے ساتھ لے چلنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔

میں جس روز آکو کو گھر لایا۔ اُس روز نکی دفتر میں تھی، آکو سارے دن میرے ساتھ رہی، وہ میرے کمرے میں کھیلتی رہی، ممی کے کمرے میں بالکل نہیں گئی۔ کچھ دیر چھت پر جا کر بھی کھیلی۔ وہ دن ہمارے لیے ایک بے پناہ خوشی کا دن تھا۔ کیرم کھیلتے وقت اُس نے کئی بار مجھے

شکست دی، پھر تاش کھیلتے وقت میں نے اُسے بار بار ہرایا اور ہم نے خوب قہقہے لگائے، شام کو وہ نکی کے لوٹنے سے پہلے ہی واپس جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ہم دونوں سڑک پر آ گئے۔ سواری کے لیے رکشا نہیں تھا، ہم پیدل ہی چل پڑے اگرچہ میں لنگڑا کر چلتا تھا لیکن اُس روز مجھے پیدل چلنے میں بھی بڑا لطف ملا۔ وہ میرا ایک ہاتھ تھامے ہوئے تھی اور اپنی ساتھی لڑکیوں کی دلچسپ باتیں سناتی جا رہی تھی۔ میں نے اسکول کے سامنے پہنچا کر اُسے چھوڑ دیا۔ اُس نے مجھے سڑک کے پار ہی روکا، میرے گلے میں باہیں ڈال کر گالوں کو بوسہ دیا اور ٹاٹا کہتی ہوئی اسکول کی عمارت میں چلی گئی۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ میرے سامنے لان سے گزر کر برآمدے میں گئی اور جا کر دوسری لڑکیوں میں گھل مل گئی۔ میں آنکھیں پونچھتا ہوا گھر لوٹ آیا۔

نکی آ چکی تھی۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: "آکو آئی تھی؟"

"ہاں آئی تھی۔" میں نے بتایا۔ "اُسے اسکول پہنچا کر آ رہا ہوں۔"

نکی نے بے حد اُداس لہجے میں کہا: "میرے لوٹنے تک رُکی نہیں؟"

پھر خود ہی بولی: "میں جانتی ہوں وہ مجھ سے بہت خفا ہے، سمجھ میں نہیں آتا اُسے کیسے مناؤں۔"

تھوڑی دیر بعد ریڈی آ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ ابھی میں پوری طرح سویا بھی نہیں تھا کہ نکی بھاگتی ہوئی میرے کمرے میں آئی اور مجھے جگا کر رونے لگی۔ بولی: "سُنیے! میں نے ریڈی کو مار ڈالا ہے، اُسے زہر دے دیا ہے۔ وہ میرے بستر پر مُردہ پڑا ہے۔"

مجھے یقین نہیں آیا۔ میں اُسے دیکھنے کے لیے بھی نہیں اُٹھا۔ نکی اسی طرح روتے روتے بولی: "میں اپنی زندگی سے تنگ آ چکی ہوں، کئی بار سوچا کہ اس سے نجات پانے کے لیے زہر کھا لوں، زہر تو کئی دنوں سے لا کر رکھا ہوا تھا۔ کبھی کبھی میں ریڈی کو بھی زہر دینے کے لیے سوچ لیتی تھی۔ اُس نے بھی مجھے بہت پریشان کیا تھا۔ پہلے میری ایک بہن سے عشق لڑایا۔ اُس کی شادی سے پہلے، اب وہ میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ مجھ سے جھوٹے وعدے کرتا رہا۔ الگ مکان میں رکھوں گا، اتنا روپیہ دوں گا، پوری عزت دوں گا۔ اُس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر میں نے سوچا کہ آپ ہی کو زہر کیوں نہ دے دوں، سچ، میں آج آپ ہی کو زہر دینے والی تھی، دودھ میں گھول کر رکھ دیا تھا۔ اچھے آدمی کے لیے اِس دُنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے، اچھے آدمی ہیں ہی کتنے؟ مجھے تو صرف آپ ہی ایک ایسے نظر آئے ہیں، کسی بُرے آدمی کو مار ڈالنے سے دُنیا سے بُرائی ختم نہیں ہو سکتی کیوں کہ بُرے آدمیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ایک اچھے آدمی کو مار ڈالنے سے اُس کے دُکھ کا خاتمہ تو کیا ہی جا سکتا ہے، میں نے آپ کو بے حد دُکھی پا لیا ہے۔ آپ کو اس دُکھ سے نجات ضرور ملنی چاہیے۔ یہی سوچ کر آج میں نے آپ کے دودھ میں زہر ملا دیا تھا لیکن اُسے غلطی سے ریڈی پی گیا۔ اب کیا ہو گا؟ جو کچھ ہو گا، میں سمجھ لوں گی، ایک طرح سے یہ بھی ٹھیک ہی ہوا۔ آپ کا وہ کلیش تو کٹ گیا جو رات دن آپ کی نظروں کے سامنے ہوتا تھا لیکن میرے پیچھے میری آکو کا خیال رکھیے گا۔ اب آپ کے علاوہ اُس کا کوئی نہیں ہے، آپ ہی اُسے زندہ رکھ سکتے ہیں، اُٹھیے، ذرا پولیس کو خبر کر آیئے۔"

کسی

فلم ڈائرکٹر کی ایک ایڈیٹر نے اپنے اخبار میں اس اُمید پر بڑی تعریفیں کیں کہ اُس سے اشتہار ملنے کی امید تھی لیکن ڈائرکٹر نے اشتہارات کی تقسیم کے وقت، اشتہاری مصلحتوں کی وجہ سے نظر انداز کر دیا۔ ایڈیٹر چڑ کر خلاف ہو گیا اور اپنی تازہ اشاعت میں ڈائرکٹر کو جتنا بُرا بھلا کہہ سکتا تھا، لکھ ڈالا۔ یہاں تک کہ ڈائرکٹر کے سفید بالوں کی مناسبت سے اُسے سفید بالوں والا لفنگا کا خطاب تک دے دیا۔

ڈائرکٹر کے کسی دوست نے ایک خط میں اخبار کے مضمون کی طرف اس کی توجہ دلائی تو ڈائرکٹر نے جواب میں لکھا:

"ایڈیٹر نے جو کچھ میرے خلاف لکھا، اُس کا بہترین جواب خاموشی ہے۔ کیونکہ جس طرح شکار کو ہنکانے والی پارٹی شور غل اور ڈھول تاشے پیٹ کر شیر کو کچھار سے نکال کر شکاریوں کو شکار کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح یہ ایڈیٹر صاحبان اپنے مخالف کے خلاف اداریے اور مضامین لکھ کر اُسے جوابی کارروائی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ دونوں میں جب جنگ شروع ہوتی ہے تو اُس کا زیادہ فائدہ ایڈیٹر کو پہنچتا ہے۔ میں اس معمولی اخبار نویس کو یہ فائدہ نہیں پہنچانا چاہتا۔"

اپنی آخری سطروں میں اُس نے ایڈیٹروں کے بارے میں ذاتی رائے کا یوں اظہار کیا۔

"سبھی ایڈیٹر بُرے نہیں ہوتے، یہ لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن ان میں بعض بُرے بھی ہوتے ہیں اور اُن کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ جنگل میں صرف شیر ہی نہیں ہوتے، سُور بھی ہوتے ہیں۔"